© rasailojaraid.com

طہران کانفرنس

اسلامی تہذیب کے موضوع پر اسلامی جمہوریہ ایران نے فروری ۱۹۹۴ء میں ایک بین الاقوامی سیمنار کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ جس میں پاکستانی وفد کے ساتھ خاکسار نے بھی حصہ لیا۔ اس سیمنار میں اسلامی تہذیب و ثقافت کے انحطاط و زوال پر بھی مقالے پڑھے گئے۔ یہ سیمنار اپنی نوعیت کا شاید پہلا سیمنار تھا، جس میں سرکاری سطح پر مسلم تہذیب و تمدن کا مسئلہ زیر بحث آیا۔ ہر چند انفرادی طور پر یہ مسئلہ ادھر تقریباً ڈیڑھ سو سال سے مسلم اہل نظر کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ شیخ محمد عبدہ، امیر شکیب ارسلان، عبدالرحمان الکوا کبی، اقبال اور ابوالکلام آزاد نے مسلمانوں کے زوال اور تہذیبوں کے انحطاط پر اجمالاً لکھا ہے۔ لیکن دل و دماغ میں یہ احساس برابر کروٹ لیتا رہا ہے کہ مسلم قوم کو ابھی تک کوئی گبن میسر نہیں آیا، جو مسلم امپائر کے زوال پر لکھتا اور بتاتا کہ سقوط بغداد، سقوط اندلس اور سقوط ڈھاکہ ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں، بے شبہ تہذیبوں کے عروج و زوال کی کہانی ایک ہے جو مختلف ناموں سے دنیا کے سٹیج پر دہرائی جارہی ہے۔ لیکن ہم اسے دیکھنے سے برابر اجتناب کر رہے ہیں۔ بہر نوع ایرانی حکومت نے سرکاری سطح پر اس اہم موضوع پر سیمنار منعقد کرا کر اخلاقی جرات کا ثبوت دیا ہے اور زبان حال سے مسلم قوم سے اپیل کی ہے کہ اسے اپنی فردوس گم گشتہ کا سراغ پانے کے لیے اپنا احتساب کیے بغیر چارہ نہیں۔

طہران اور دوسرے مختلف شہروں کی سیر بھی پروگرام کا ایک حصہ تھی۔ مثلاً تین فروری کو ایران کے معروف مذہبی مرکز قم جانا ہوا، جہاں پر خوب صورت لائبریریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علمی اداروں، تاریخی مساجد اور جامعہ اسلامیہ کو دیکھا۔ قم میں آیۃ اللہ نجفی مرعشی کی معروف ذاتی لائبریری کا مشاہدہ کیا۔ اس لائبریری میں ہزاروں قیمتی قلمی نسخے موجود ہیں جن کا تعلق تفسیر، حدیث، تاریخ اور دوسرے علوم سے ہے۔ ان نسخوں کی عکسی تصاویر کے لیے لائبریری میں جدید ترین آلات موجود ہیں۔ لائبریری کا نظم و نسق، مطالعہ اور عکسی تصاویر کے لیے عمدہ انتظامات ہیں۔ لائبریری نے نہج البلاغہ کے ایک نادر نسخے کو صاحب نہج البلاغہ کی ہزار سالہ برسی پر شائع کیا ہے۔ لائبریری کے ناظم نے وفد کے ہر ممبر کو نئے ایڈیشن کا ایک ایک نسخہ عطا فرمایا۔ یہ لائبریری مرحوم مرعشی کی ذاتی سعی و کاوش اور ایثار و قربانی کا خوب صورت مظاہرہ ہے۔ جامعہ اسلامیہ میں بھی جانا ہوا اور وہ حجرہ بھی دیکھا، جہاں امام خمینی قیام کرتے تھے اور ملحق ہال میں طلبہ کو لیکچر دیا کرتے تھے۔ کلاسیکی کتابوں کی تحقیق و اشاعت کے ایک ادارے "موسستہ اھل البیت" میں بھی جانا ہوا، یہ ادارہ خاموشی اور سنجیدگی سے ہماری قدیم کتابوں کی نشر و اشاعت کے لیے کام کرتا ہے۔ اس نے بھی اپنی مطبوعات سے ہمیں نوازا۔

قم کے علاوہ طہران کو بھی جی بھر کر دیکھا، پورا شہر صاف ستھرا ہے۔ عام شاہراہوں سے ہٹ کر چھوٹی گلیوں، بازاروں میں بھی جانے کا اتفاق ہوا۔ کہیں کوڑا کرکٹ، ردی کاغذوں، پلاسٹک کے تھیلوں کے ڈھیر نظر نہیں آئے، جو یہاں لاہور یا کراچی جیسے شہروں میں دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایسے ہی طہران کے باغات، عام شاہراہوں اور دیواروں پر وہ نعرے بھی دیکھنے میں نہیں آئے، جو پاکستان کے چھوٹے بڑے شہروں کی دیواروں پر لکھے نظر آتے ہیں۔ جن سے ایک غیر ملکی سیاح کو ہمارے "ملی جمالیاتی ذوق" کا پتہ چلتا ہے۔ طہران میں مقیم ایک پاکستانی سے شہر کی خوب صورتی اور صفائی کا ذکر آیا، تو اس نے کہا کہ صفائی، نفاست اور حسن ذوق کا مظاہرہ اس قوم کے مزاج کا حصہ بن چکا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جامعہ طہران میں کتابوں کی نمائش اور اس سے قریب کتابوں کی دکانوں کو بھی دیکھا۔ اپنی طباعت، معیار اور کاغذ کے نقطہ نظر سے پاکستانی مطبوعات سے کہیں آگے ہیں۔یہ کتابیں ارزاں قیمت پر دست یاب ہیں۔

عہد حاضر میں ایران شاید پہلا مسلم ملک ہے۔ جہاں پر مذہبی قیادت نے اپنی بیدار مغزی، نظم و ضبط اور آہنی ارادے سے ملک کے مستبد اور مغرور حکمران کے خلاف کامیاب جنگ لڑی ہے اور اپنی روحانی روایات میں ایک نئے تابناک باب کا اضافہ کیا ہے۔ اب تک ہماری تاریخ میں علماء اقتدار کے مالک نہیں، بلکہ اقتدار سے وابستہ رہے ہیں۔ رسمی طور پر علمائے کرام "ملازمت" سے منسلک تھے، لیکن اپنے مذہبی مقام کی وجہ سے سرکاری ملازموں سے اپنا الگ تشخص رکھتے تھے۔ انہوں نے خلفاء، سلاطین اور حکمرانوں کے عزل و نصب اور عروج و زوال میں ایک موثر کردار ادا کیا ہے۔ لیکن بیسویں صدی سے قبل وہ کبھی بھی براہ راست اقتدار کے مالک نہیں رہے۔ بلکہ صحیح بات تو یہ ہے کہ علمائے حق کی ایک جماعت نہ صرف اصحاب اقتدار سے دور رہی بلکہ اس نے اصحاب اقتدار کی صحبت کو قلب و نظر کی موت سے تعبیر کیا۔ دربار سے دور رہ کر اپنی عارفانہ نگاہ اور خدا سرشاری سے مخلوق خدا کی سعادت و ہدایت کے لیے سروساماں فراہم کرتے رہے۔ لیکن جب عہد حاضر میں مغربی ملکوں نے مسلم دنیا پر اپنا تسلط جمایا اور مسلم حکمرانوں کو اپنا آلہ کار بنا کر مسلم سرزمین کی دولت و ثروت کو لوٹا، تو علماء وقت کی آواز پر آگے بڑھے اور تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ برصغیر کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ جہاں پر علمائے صادق پور، علمائے دیوبند نے (مولانا محمود حسن، مولانا عبید اللہ سندھی اور مولانا حسین احمد مدنی وغیرہ) تحریک آزادی میں حصہ لیا برطانوی حکومت سے کوئی تعلق نہیں رکھا اور اس راہ میں پیش آمدہ ہر مشکل اور مصیبت کا وقار اور صبر سے سامنا کیا۔ برصغیر کی طرح ایران میں بھی علماء نے غیر ملکی طاقتوں اور ملک میں ان کے حلیفوں کے خلاف تحریک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چلائی۔ ایران میں برطانوی مفاد پر سب سے پہلی کامیاب ضرب ۱۹۵۰ء کی دہائی میں ڈاکٹر مصدق نے لگائی۔ مصدق کے سیاسی خیالات صاف اور واضح تھے اور وہ تھے : "آزادی۔ جمہوریت اور قانون کی بالادستی۔" جب اس نے پٹرول کی ایرانی کمپنی کو قومی ملکیت میں لیا، تو برطانیہ نے شاہ سے گٹھ جوڑ کر کے نہ صرف مصدق کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ بلکہ اس پر "غداری" کا مقدمہ بھی چلایا۔ مصدق نے جس بہادری سے شاہ اور اس کے سرپرستوں کا مقابلہ کیا۔ اس سے نہ صرف اہل ایران بلکہ پورے مشرق وسطی کو ایک تازہ ولولہ اور حوصلہ ملا۔ یہاں اس بات کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا برطانوی حکومت نے مصدق سے مصالحت کرنے کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی خدمات حاصل کرنے کی بھی کوشش کی تھی۔

مصدق کے مشن کو پورا کرنے کے لیے جس شخصیت نے شاہ کے ظلم و استبداد کے خلاف پوری قوم کو آزادی کی راہ پر لگایا وہ آیت اللہ خمینی کی ذات گرامی تھی۔ خمینی نے نہ تو علما، کی زاویہ نشینی کو پسند کیا اور نہ ہی حکمران گروہ کی حاشیہ برداری کو، انھوں نے حکومت کے اخلاقی، سیاسی اور اقتصادی فساد پر قابو پانے کے لیے ولایت فقیہ کا نظریہ دیا۔ ان کے نزدیک صدر ریاست ایسا عالم ہونا چاہیے، جو شریعت اور قانون سے واقف ہونے کی بنا پر شریعت کی سیادت کو قائم کرے۔ لیکن اگر وہ خود قانون کو توڑے، تو اسے برطرف کر دیا جائے، اسے برطرف کیسے کیا جائے؟ اور کون کرے؟ اس کی وضاحت امام خمینی نے نہیں فرمائی۔ خمینی صاحب کے نظریہ حکومت اور اس کے حسن و قبح پر کئی لوگوں نے سنجیدگی سے بحث کی ہے۔ جن میں ایک ابوالحسن بنی صدر ہیں جو خمینی کے پیرو اور ایران کے پہلے صدر رہ چکے ہیں۔ بنی صدر نے خمینی کی حکومت میں استبداد اور حریت رائے کے فقدان کی شکایت کی ہے۔ بنی صدر نے ۱۹۷۴ء میں امریکہ میں مسلم طلبہ کی ایک یونین میں "اسلامی حکومت" کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موضوع پر تقریر کی تھی۔ جس میں اس نے اسلامی حکومت کو "روحانی جمہوری" حکومت قرار دیا تھا۔ جو مساوات، روحانی آزادی اور معاشی عدل و انصاف کے لیے کام کرتی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عمر کی مثال دیتے ہوئے کہا تھا کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مال دار لوگوں نے اپنے مکانات دو منزلہ یا سہ منزلہ بنا لیے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں آئندہ سال زندہ رہ گیا تو اس صورت حال کو بدل دوں گا، یعنی اس طبقاتی نظام کو جو دولت کی فراوانی سے وجود میں آرہا ہے بدل دوں گا۔ بنی صدر نے حضرت علی کی ذات گرامی میں اسلامی حکومت کے روشن مستقبل کو دیکھا ہے۔

خمینی کے نظریہ سیاست سے اختلاف یا اتفاق کے باوجود یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ خمینی کی ذات گرامی غریبوں اور عیش پسند حکمرانوں کے ستائے ہوئے انسانوں کی آزادی کا نشان بن گئی تھی۔ یہ مقام، خمینی کے کسی ہم عصر عالم کو حاصل نہیں ہوا۔ حتی کہ شریعت مداری اپنے علم و فضل کے باوجود غلط یا صحیح طور پر اونچے طبقہ کے ترجمان سمجھے جاتے تھے۔ چنانچہ خمینی کے آہنی ارادے، استقامت اور بے داغ سیرت نے ایران سے غیر ملکی تسلط کو ختم کرنے کے لیے مصدق کے مشن کو کامیابی سے ہم کنار کیا۔ خمینی کا یہ کارنامہ عہد جدید میں مسلم دنیا کا ایک تاریخی واقعہ ہے۔ ان سے پہلے مصر میں جمال عبدالناصر نے ۱۹۵۶ء میں مصدق ہی کی راہ پر چلتے ہوئے نہر سویز کو انگریز کے تسلط سے آزاد کرایا تھا۔ آگے چل کر اسے ۱۹۶۷ء میں اس آزادی کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑی، جب امریکی صدر جونس اور اس کی انتظامیہ نے بہ قول پول فندلے (Paul Findley عبدالناصر کا تختہ الٹنے کے لیے اسرائیل کو مصر پر حملہ کرنے کی اجازت دے دی۔

قصہ کوتاہ خمینی مشرق وسطی میں پہلے مذہبی رہنما ہیں، جو مذہبی بنیادوں پر انقلاب بپا کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ لیکن یہ انقلاب کس حد تک ایران کے سیاسی، معاشی اور اجتماعی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب رہا ہے؟ یہ امر ہمارے موضوع سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خارج ہے۔ البتہ طہران یا قم میں ہمیں یہ دیکھ کر دلی مسرت ہوئی کہ بہ جگہ ایران کے موجودہ صدر کی بجائے ایران کے روحانی رہنما آیۃ اللہ خامنائی کی تصویریں نظر آئیں۔ جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حکومت اجتماعی اور سیاسی زندگی میں مادی قدروں کی بجائے روحانی اقدار کی بالادستی پر یقین رکھتی ہے۔ ہم نے مہمانوں کی دیکھ بھال کے لیے ایران کی وزارت ارشاد کی طرف سے مقرر کردہ آقای سعید قلی زادہ سے پوچھا۔ (۱) کیا ایرانی اسمبلی میں حزب مخالف ہے، (۲) کیا آپ بنک سے سود وصول کرتے ہیں۔ (۳) کیا خاندانی منصوبہ بندی کو حکومت کی حمایت حاصل ہے!

انہوں نے جواب میں بتایا کہ اس وقت اسمبلی میں ایک ممبر کا تعلق "حزب مخالف" سے ہے۔ (۲) بینک سود ادا کرتا ہے۔ ہم انفرادی طور پر سودی کاروبار کو حرام اور ناجائز جانتے ہیں۔ ہاں! بنک کی سطح پر جو تجارت کرتا ہے، اسے جائز قرار دیتے ہیں۔ کیوں کہ یہ "سود" تجارتی نفع کا ایک حصہ ہے۔

(۳) حکومت خاندانی منصوبہ بندی کی مخالفت نہیں کرتی۔ البتہ زور شور سے اس کی حمایت بھی نہیں کرتی۔

واقعہ یہ ہے کہ جدید ایران کے اجتماعی اور سیاسی مسائل پر لکھنے کے لیے ایران کی فکری اور عملی زندگی کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ چند دنوں کے قیام کے بعد ایران کے اجتماعی مسائل پر لکھنا صحیح نہیں ہے۔ البتہ ہم نے بازاروں، دفتروں اور دوسرے علمی اداروں میں کام کرنے والے ہزاروں نوجوان مرد اور عورتوں کو جس خاموشی، متانت اور

۱۔ وزارت ارشاد کی طرف سے آقای ابراہیم [illegible] وازی، سعید قلی زادہ اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے غیر ملکی مہمانوں کا مقدور بھر خیال رکھا اور اپنے حسن اخلاق اور حسن عمل سے متاثر کیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور شائستگی سے کام کرتے دیکھا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی معنوی زندگی نے ایک نئی سمت دریافت کی ہے۔ اور ان کے طرز عمل میں ایک توازن اور اعتدال ہے۔ یہ باتیں یقیناً خمینی انقلاب کی پیداوار ہیں جن کی آدمی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

۹ فروری کو تہران دانش گاہ کے ایک استاد ڈاکٹر عباس زریاب نے فارسی زبان میں اپنا مقالہ پڑھا۔ اسی روز دوسرا مقالہ جامعہ دمشق کے ایک استاد ڈاکٹر وھبہ الزحیلی نے عربی زبان میں پڑھا۔ ڈاکٹر عباس زریاب کی رائے میں حکمت و فلسفہ سے مسلمانوں کی دوری اور جاہل اور ظالم حکمرانوں کی علم دشمنی پر دانشمندوں کی خاموشی مسلم تہذیب کے انحطاط کا باعث بنی ہے۔ لیکن اب کیا کیا جائے؟ روح عصر کا ساتھ دینے کے لیے کیا قدم اٹھایا جائے؟ اس پر ڈاکٹر موصوف نے کچھ نہیں فرمایا۔

ڈاکٹر زحیلی نے مسلم تہذیب کے خصائص بیان کرتے ہوئے کہا کہ مسلم تہذیب کی ایک امتیازی صفت یہ ہے کہ اس نے دوسری تہذیبوں کے صحت مند عناصر کو اپنے اندر جذب کیا ہے اور جس ملک میں وہ پہنچے ہیں، اس کی تہذیب کے وارث بنے ہیں۔ اب مسلمانوں کو عصر حاضر کے علوم و فنون پر دسترس حاصل کر کے باہمی تعاون، اخوت، آزادی اور انسان دوستی کی قدروں کو جن کی قرآن مجید نے تلقین فرمائی ہے۔ آگے بڑھانا چاہیے۔ ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ قوموں کے عروج و زوال میں قرآن مجید نے جو کچھ فرمایا ہے، ان مقالات میں اس کا تذکرہ نہیں تھا۔ قرآن کا کہنا ہے کہ جب عیش پسند گروہ (مترفین) دولت کے بل پر اقتدار پر قبضہ کرتا ہے، اور قوانین فطرت کی برابر مخالفت کرتا ہے۔ تو ایسی "تہذیب" یا معاشرے کو تہس نہس کر دیا جاتا ہے۔

(اسراء: ۱۶)

اس سیمنار میں جامعہ بیروت کے ایک استاد ڈاکٹر وجیہ کوثرانی نے "اسلامی تہذیب اور تاریخی منہج کا ارتقاء" کے موضوع پر ایک خوب صورت مقالہ پڑھا۔۔۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موصوف نے فلسفہ تاریخ میں ابن خلدون کی تخلیقی خدمات کا تذکرہ کرنے کے بعد کہا کہ جب مسلم سوسائٹی میں اجتہاد کا دروازہ بند ہوا اور چاروں طرف جمود و تعطل کی تاریکی پھیل گئی۔ اس وقت علم حدیث تک کی تدریس میں "احیائے اجتہاد" کا خطرہ محسوس کیا گیا، اور اس کی تدریس ممنوع قرار پائی۔ مثلاً ۱۸۹۵ء میں دمشق میں شیخ جمال الدین قاسمی اور ان کے ساتھیوں کو علم حدیث کا مطالعہ کرنے پر جیل جانا پڑا، انہیں دمشق کے مفتی نے یہ "نصیحت" کر کے رہا کیا کہ وہ اپنا مطالعہ فقہی کتابوں تک محدود رکھیں اور تفسیر و حدیث کی کتابوں سے دور رہیں، (ملاحظہ ہو، مذاکرات جمال الدین قاسمی، دمشق ۶۵ ۱۹ء، ص ۵۱) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۰۵ء تک جامعہ ازہر میں مقدمہ ابن خلدون کا پڑھانا ممنوع تھا۔ جب فکر و نظر کا یہ عالم ہو، تو پھر "جامد اہل علم" سے مسلم سوسائٹی کے مسائل کو حل کرنے اور اسلامی ثقافت کے احیاء کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

اس سیمنار میں بوسنیا کے وفد سے بھی ملنا ہوا، جس نے ہمیں بوسنیا کے المیہ سے متعلق انگریزی زبان میں ایک کتابچہ دیا۔ سیمنار میں بعض عرب دوستوں نے جذباتی تقریریں کیں، جن میں اسرائیل اور اس کے بعض حلیف عرب رہنماؤں کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا، ان تقریروں کو بعض ساتھیوں نے بجا طور پہ ناپسند کیا، کیوں کہ ان کا موضوع سے کوئی تعلق نہیں تھا، نیز یہ کہ مسلم تہذیب کے انحطاط و زوال کا مسئلہ آتشیں تقریروں سے نہیں بلکہ مسلسل فکر و تدبر اور سعی و عمل ہی سے حل کیا جاسکتا ہے۔ کیا اس مقدس جہاد کے لیے مسلم معاشرہ تیار ہے؟ ایران کی حالیہ قیادت سے امید ہے کہ وہ ایران میں ایک نیا اخلاقی، جمہوری اور عادلانہ معاشرہ قائم کرنے میں کامیاب رہے گی۔

(رشید احمد جالندھری)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منظور احمد

مستقبل میں اسلام کی تفہیم

اور

اکیسویں صدی میں ہمارا کردار

© rasailojaraid.com

ادارہ ثقافت اسلامیہ اور مجلس خلیفہ عبدالحکیم نے ۲۲ مارچ ۱۹۹۴ء کو خلیفہ عبدالحکیم کی یاد میں ایک لیکچر کا اہتمام کیا۔ اس لیکچر کا موضوع تھا: "مستقبل میں اسلام کی تفہیم اور اکیسویں صدی میں مسلمانوں کا کردار" اس موضوع پر قائداعظم لائبریری، لاہور میں ڈاکٹر منظور احمد نے اپنا فکر انگیز مقالہ پڑھا، جسے لاہور کے اہل نظر نے بہت پسند کیا۔

ڈاکٹر منظور احمد پاکستان کے ان چند اہل علم میں سے ہیں جو انسانی سوسائٹی میں فلسفہ اور مذہب کے مقام، ان کی خدمات، بعض ملکوں میں مذہب کے نام پر اٹھنے والی منفی یا مثبت تحریکوں پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ انہیں بجا طور پر اس بات کا دکھ ہے کہ مسلم اہل علم اپنی صحت مند اور تابناک اخلاقی اور علمی روایات رکھنے کے باوجود حالیہ وقت میں فکری دنیا میں کوئی فعال کردار ادا نہیں کر رہے ہیں۔ جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ "اسلامی فکر کو ایک ہزار سال سے یونانی فلسفہ نے اغوا کر رکھا ہے۔" چنانچہ اگر ہم بہ قول ڈاکٹر صاحب یونانی فلسفہ اور قرون وسطی کے علم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علوم کی قید سے رہا ہو کر قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو پھر پتہ چلتا ہے کہ اخلاقی زندگی کے لیے قرآن کے مقاصد کس قدر جانفزا ہیں اور پیغمبر آخرالزماں کی "خدا شعوری" مقصود بالذات بننے کی بجائے ایک تخلیقی عمل میں ظاہر ہوتی ہے۔"

ہمیں مسرت ہے کہ ہم المعارف کے قارئین کے لیے اس قیمتی مقالہ کو شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اکیسویں صدی میں اپنا کردار ادا کرنے کے لیے ہم سنجیدگی سے اپنے موجودہ طرز فکر اور طرز عمل کا جائزہ لیں گے اور کھوکھلے نعروں، بے ہنگام جوش اور تمناؤں میں الجھنے کی بجائے حقائق کا سامنا کر کے ہی ہم اپنے نئے کردار کا (اگر کوئی ہے تو) تعین کر سکیں گے۔

(رشید احمد جالندھری)

تیزی سے بدلتے ہوئے انسانی تصورات کے پیش نظر اکیسویں صدی میں اسلام کی تفہیم (Understanding) کس طرح ہوگی؟ یہ بات جاننے کے لیے ہم کو اجمالاً اسلام کی تاریخی تفہیم اور کسی قدر تفصیلاً بیسویں صدی میں اسلام کی تفہیم کے طریقوں سے آگاہی حاصل کرنا ہوگا۔ اسلام کی تاریخی تفہیم کے لیے تو عالمی حوالہ ضروری ہے لیکن بیسویں صدی میں اس امر پر گفتگو کے لیے برصغیر ہندو پاکستان کا حوالہ ہمارے لیے کافی ہوگا اس لیے کہ وہ برمحل بھی ہے اور اس میں اسلام کی تفہیم کے وہ تمام پیراڈائم (Paradigm) مل جاتے ہیں جو آج بھی عالمی طور پر پائے جاتے ہیں۔

اسلام کی کسی بھی تفہیم سے پہلے یہ بات سامنے رکھنی چاہیے کہ اسلام پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اپنے ماننے والوں کے لیے ہدایت (Guidaance) پر مشتمل

© rasailojaraid.com